ساتھ جو لوگ کام کرتے تھے جانتے تھے کہ وہ اچھوت ہے مگر کوئی اعتراض نہ کرتے تھے۔ میں یہ سن کر بہت خوش ہوئی۔ دو روز تک ہم جنوب کی طرف سفر کرتے رہے اس کے بعد ایک چھوٹے سے گاؤں میں پہنچے۔ وہاں میں نے اس کے ساتھیوں کو دیکھا۔ وہ عجیب و غریب قسم کے لوگ تھے۔ نوجوان اور خطرناک۔ کافی دنوں کے بعد مجھے پتا چلا کہ یہ دہشت پسندوں کا گروہ تھا جو زیادہ تر ریل گاڑیوں کو بارود سے اڑانے اور ڈاکخانوں کے تار کاٹنے کا کام کرتا تھا۔ یہ معلوم کر کے مجھے بہت افسوس ہوا کیونکہ مدن میرے لئے چھوٹے موٹے دیوتا کا درجہ رکھتا تھا' پر اب کیا کیا جا سکتا تھا۔ یہ جگہ بہر حال گاؤں سے زیادہ دلچسپ تھی۔

''اب ہماری زندگی خانہ بدوشوں کی طرح تھی۔ چند روز یہاں چند روز وہاں۔ ہم مستقل گاؤں گاؤں گھومتے تھے اور رات کے اندھیرے میں سفر کرتے تھے۔ وہ لوگ دن بھر اپنے ہتھیار صاف کرتے رہتے' رات کے لئے سکیمیں بناتے یا سوئے رہتے۔ وہ بڑے خطرناک طریقے پر بات کرتے اور کبھی کبھی بحث کے دوران ایک دوسرے کے ساتھ لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتے۔ اکثر وہ رات رات بھر باہر رہتے اور سحری کے وقت بھوکے اور بدحال ہو کر لوٹتے۔ پولیس ہر وقت ہمارے پیچھے لگی رہتی اور کبھی کبھی ہمیں نہایت عجلت میں کسی جگہ سے بھاگنا پڑتا۔ مجھ کو وہ کسی بات سے آگاہ نہ کرتے' صرف حکم دیتے۔ میں دل میں ان سے حسد کرنے لگی تھی اور میرا جی کرتا تھا کہ کسی روز میں بھی ان کے ساتھ جا کر وہ سب کچھ کر کے دکھاؤں جو وہ کرتے تھے اور مجھے علم تھا کہ میں وہ سب کر سکتی تھی مگر مجھے کبھی موقع نہ ملا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ رات کی مہم کے بعد جب وہ لوٹتے تو ایک آدھ آدمی ان میں سے کم ہوتا۔ مجھ کو وہ [illegible] نہ بتاتے مگر مجھے پتا چل [illegible] ایسا تھا' تم جانتے ہو زندگی' موت' خطرہ ان دنوں میں یہ چیزیں معمول بن گئی تھیں۔ مجھے کبھی پتا نہ چل سکا کہ کن لوگوں کی خاطر یہ گروہ کام کر رہا تھا لیکن ہمیشہ ایسا ہوتا کہ چند روز کے بعد کم ہونے والے کی جگہ کوئی اور آ کر لے لیتا اور کوئی محسوس بھی نہ کرتا۔ مجھے مدن کا ہمیشہ خطرہ رہتا۔

''اسی زمانے میں ایک شخص ہمارے ساتھ آ کر رہا۔ وہ بڑا عجیب شخص تھا۔ بہت کم وہ ان لوگوں کے ساتھ باہر کام پر جاتا' صرف بیٹھا ہوا بحث کیا کرتا۔ میری اس کی دوستی ہو گئی۔ وہ ان سب میں دلکش اور پُرامن تھا۔ وہ پہلا شخص تھا گاؤں چھوڑنے کے بعد میں جس کے ساتھ سوئی اور وہ پہلا ہی شخص تھا جس کے ساتھ مجھے دل سے محبت ہوئی تھی۔ گو چند روز بعد وہ ہمیں چھوڑ کر بھاگ گیا لیکن مجھے اب تک یاد ہے۔ پہلا شخص جسے ہم دل سے پیار کرتے ہیں ہم کبھی نہیں بھولتے' بعد میں آنے والے سب لوگوں میں اس کی جھلک دکھائی دیتی ہے...... تم بالکل اس کی طرح چلتے ہو۔

''اس کے جانے کے چند مہینے کے بعد ایک روز جب میں اکیلی اندھیرے میں بیٹھی تھی اور سب لوگ باہر جا چکے تھے تو اچانک مجھے ایک بڑا خوفناک خیال آیا' کہ اب میں ہمیشہ کے لئے بچہ جننے کے قابل نہیں رہی۔ اس رات میں بڑے زور سے' بڑے دکھ کے ساتھ روتی رہی اور پہلی بار گاؤں کے ان سب لوگوں کو سا جن کے ساتھ میں رہ چکی تھی۔ اس وقت میں پندرہ برس کی تھی۔ یوں سوچو تو ہنسی آتی ہے۔

''پھر وہ ہوا جس کا مجھے اندیشہ تھا۔ ایک روز مدن واپس نہ آیا۔ وہ کبھی واپس نہ آیا۔ میں تھوڑا سا روئی پھر ٹھیک ہو گئی۔ کیا ہو سکتا تھا۔ اس حادثے کے لئے میں بڑے عرصے سے تیار تھی۔ چند مہینے اسی طرح گزر گئے۔ میں نے زیادہ مضبوطی سے اپنے آپ کو گروہ کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ پھر ایک شخص تھا کہ ہمارے ساتھ آ کر رہا۔ اس نے ایک روز

UrduPhoto.com

مجھ سے کہا: 'تم ہندو ہو جاؤ تو میں تمہارے ساتھ شادی کر لوں۔' 'کیا فرق پڑتا ہے؟' میں نے کہا۔ پھر انہوں نے خود ہی کسی طریقے سے جواب مجھے یاد نہیں رہا، مجھے ہندو کیا اور میری شادی کر دی۔ مجھ اس سے دلچسپی نہ تھی، مگر اس بات سے مجھے بڑی عجیب سی خوشی ہوئی کہ عمر میں پہلی بار باقاعدہ میری شادی ہو رہی تھی۔ کچھ عرصے بعد وہ بھی مارا گیا۔

''اب گروہ ٹوٹنا شروع ہوا۔ وہ لوگ اپنی جانوں سے کھیل رہے تھے۔ میری کون پروا کرتا تھا۔ کچھ مارے گئے، کچھ پکڑ لیے گئے حتیٰ کہ ایک روز میں اکیلی رہ گئی۔ شیلا ٹھاکر میرا نام تھا۔

''اس کے بعد...... کوئی خاص بات نہ ہوئی۔ تمہیں پتا ہی ہے۔ میں وہاں آ گئی جہاں تم نے مجھے دیکھا، مگر میں تم سے کئی برس پیشتر وہاں پہنچی اور کپڑے کے کارخانے میں کام شروع کیا۔ وہیں پر میں لال سے ملی جو کارخانے میں 'ٹائم کیپر' تھا۔ وہ بڑا مہربان اور نرم دل آدمی تھا۔ مجھے کارخانے کے کام کی عادت نہ تھی اس لیے میں اکثر دیر سے پہنچتی لیکن وہ کبھی میرا 'ٹائم' نہ کاٹتا اور میرے ساتھ بڑی محبت سے پیش آتا۔ چونکہ میں اکیلی تھی وہ کبھی کبھار میری خیریت پوچھنے کے لیے گھر کی طرف بھی آ نکلتا۔ رفتہ رفتہ ہم اکٹھے رہنے لگے۔ وہ بڑے اچھے دل کا آدمی تھا۔ یہ اس کی مہربانی تھی کہ ایک روز اس نے کہا: 'تم مسلمان ہو جاؤ اور میرے ساتھ نکاح کر لو۔ اس طرح ٹھیک نہیں۔' میں نے کہا: 'مجھے کچھ پتا نہیں۔ بس میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتی تھی۔' اس نے مجھے مسلمان کیا، میرا نام بانو رکھا اور ہمارا نکاح ہو گیا۔ اس کے بعد دو خاص واقعے ہوئے۔ ایک تو یہ کہ مجھے اس سے واقعی محبت ہو گئی اور میں نے اس کی غیر موجودگی میں اس کے متعلق سوچنا اور اس کا انتظار کرنا شروع کر دیا۔ دوسرا واقعہ یہ کہ کمال پیدا ہوا۔ اس کی پیدائش سے کئی مہینے پیشتر جب مجھے اس بات کا علم ہوا تو میں خوشی کے مارے نڈھال ہو گئی اور میں نے لال کے ...... اس کی پیدائش کے دو سال بعد لال ایک دوسری عورت کے ساتھ جا کر رہنے لگا۔ اب بھی وہ کبھی کبھی میرے پاس آتا تھا اور جب بھی وہ آتا میں خوشی سے اس کے ساتھ رہتی تھی کیونکہ میں نے اس سے مل کر بڑی راحت پائی تھی اور مجھے اس سے بڑی محبت تھی اور پھر وہ ابھی تک اسی طرح معصوم اور صاف دل تھا۔ لیکن سوال مہربانی اور نرم دلی کا نہیں، سوال یہ ہے کہ مرد ایک عورت کے ساتھ رہ سکتا ہے یا کہ نہیں اور میرا خیال ہے کہ ...... آہستہ آہستہ اس نے مجھے بالکل چھوڑ دیا۔ اب میں نے پھر کام شروع کر دیا۔ ہر روز میری اس کی کارخانے کے دروازے پر ملاقات ہوتی اور وہ ہنس کر میرا حال پوچھتا اور میں بھی ہنس کر جواب دیتی۔ میں الگ رہتی تھی اور خود محنت کر کے کھاتی تھی، میں کیوں ناراض ہوتی۔

''جب تم آئے تو میں اکیلی رہ رہی تھی۔ ایک روز تمہیں پیچھے سے چلتے ہوئے دیکھ کر چونک پڑی۔ تمہاری چال ...... ہزاروں آدمیوں میں میں اسے پہچان لیتی ہوں۔ پر چھوڑو یہ بیکار قصہ ہے۔ اس کے بعد یونین اور ہڑتالیں اور پتا نہیں کیا کیا ہوا، تمہیں تو پتا ہی ہے۔ کئی بار مجھے نکالا گیا مگر میں کسی نہ کسی طرح اسی شہر میں رہی اور کام کرتی رہی۔ پھر یہ ہندو اور مسلمان کا قضیہ چل نکلا۔ مجھے اس سارے قصے سے کوئی دلچسپی نہ تھی مگر چونکہ میرا بچہ تھا اور وہ مسلمان تھا اسے لے کر ادھر آ جانا پڑا۔ رستے میں وہ بھی بچھڑ گیا۔ میری زندگی کی سیدھی سادی کہانی ہے۔ اس میں کوئی خاص بات نہیں۔ تم ابھی کمزور ہو، اتنی ٹھنڈک میں باہر مت بیٹھو۔ چلو اب اندر۔''

اندر جھونپڑی کے وسط میں کھڑے ہو کر علی نے ایک بھرپور نظر اس پر ڈالی۔ وہ عورت جو اس سے دس برس بڑی تھی، اس کا شفیق اور بیباک چہرہ تھا اور روشن آنکھیں تھیں اور اس کا جسم ابھی ڈھلا نہیں تھا۔ وہ بلا کی عورت تھی۔

UrduPhoto.com

''تم وہاں جاؤ۔'' علی نے چارپائی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ بانو نے پس و پیش کرنی چاہی لیکن اس کی بھاری نگاہوں کے سامنے خاموشی سے جا کر چارپائی پر بیٹھ گئی۔ علی سینے پر ہاتھ باندھے خالی خالی نظروں سے دیئے کی لو کو دیکھتا رہا، پھر کونے میں سے ایک رسی اٹھا کر جھونپڑی کے آر پار باندھنے لگا۔ جب باندھ چکا تو ایک موٹا کپڑا اس پر پھیلا دیا جس نے کوٹھری کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔

''یہ کیا کرتے ہو؟'' بانو کی آواز آئی۔

علی خاموشی سے زمین پر اپنے لئے چادر بچھاتا رہا۔ پھر اس نے کہا: ''کل سے میں نوردین کے ساتھ رہوں گا۔''

اس رات اسے دیر تک پردے کے دوسری طرف عورت کے آہستہ آہستہ رونے کی آوازیں آتی رہیں۔

(۴۹)

وہ لاہور کے نواحی علاقے کی ایک قدیم دو منزلہ کوٹھی تھی جس کا ایک حصہ آتشزدگی کی نذر ہو چکا تھا۔ بجلی کا سلسلہ اسی زمانے سے منقطع تھا اور اس کے بڑے بڑے کمروں اور طویل برآمدوں میں سرِشام تیل کے لیمپوں کی مدھم، اداس روشنی پھیل جاتی تھی۔ اندر دیواروں پر سے تمام تصویریں اتار لی گئی تھیں۔ جب تصویریں ابھی اتاری نہیں گئی تھیں تو وہ چاروں طرف دیواروں پر لگی تھیں اور ان میں قدیم اور معزز چہروں والے راجے، بہادر اکیلے اور فیملی گروپوں میں نمایاں تھے۔ [illegible] اور انگریز کمشنروں اور ڈپٹی کمشنروں کے ساتھ غیر نمایاں جگہ [illegible] کھڑے تھے۔ (مزے کی بات [illegible] اس دلچسپ ترتیب کو دیکھ کر اس طبقے کی ساری سماجی زندگی کا اندازہ ہو سکتا تھا) پھر ہندوؤں کے ان گنت دیوتاؤں کی تصویروں کے رنگین پرنٹ تھے جنہیں بڑے سلیقے سے فریم کیا گیا تھا۔ یہ ساری بڑی پرسکون اور [illegible] تصویریں تھیں جیسی پرانی خاندانی تصویریں ہوتی ہیں۔ یہ پرانے مکینوں کی تصویریں تھیں جنہوں نے [illegible] بنایا تھا مگر پھر نئے مکین وارد ہوئے اور انہوں نے ساری تصویریں اتار [illegible] کہ بھائی مکان بنا لینے سے آپ کوئی سدا کے مکین تھوڑا ہی ہو جاتے ہیں۔ اب آپ تشریف لے جایئے۔

فرنیچر جو بچا کھچا رہ گیا تھا اسے چند کمروں میں ترتیب کے ساتھ لگا کر استعمال کے قابل بنا لیا گیا تھا، پھر بھی یہ عمدہ اور قیمتی فرنیچر تھا جس کی بناوٹ میں پرانے وقتوں کی رئیسی نفاست کی جھلک ملتی تھی۔ نشست کے کمرے میں کونے کی تپائی پر ٹیلی فون پڑا تھا جو عرصے سے خاموش تھا مگر کسی نہ کسی امید میں ہر روز جھاڑا پونچھا جاتا تھا۔ کمروں کی آرائش کی طرف اس کے علاوہ اور کوئی توجہ نہ دی گئی تھی۔

جسے اس سارے ہنگامے میں سب سے کم گزند پہنچا تھا کوٹھی کا باغ تھا۔ یہ شہتوت اور جامن کے اونچے اونچے پیڑوں والا وسیع و عریض باغ تھا جو نصف صدی پرانی آبیاری کی یاد دلاتا تھا۔ بڑے پیڑوں کے علاوہ سینکڑوں چھوٹے بڑے پھلوں اور پھولوں کے پودے تھے جو چاروں طرف نہایت سلیقے اور ترتیب سے اگائے گئے تھے اور کوٹھی کو آرام دہ، خنک اور سایہ دار ماحول عطا کرتے تھے۔ سامنے دو وسیع لان تھے جن کی گھاس اعلیٰ قسم کی تھی اور نفاست سے کاٹی گئی تھی۔ اندر کی طرف لان کے کنارے کنارے گلاب کے پودے تھے۔ باہر کی طرف کھٹے کی

UrduPhoto.com

اونچی باڑ تھی جس میں جگہ جگہ چڑیوں نے گھونسلے بنا رکھے تھے جس کے پیچھے سے سڑک گزرتی تھی۔ سڑک پر سے گزرنے والوں اور لان پر بیٹھنے والوں کو ہر وقت کھٹے کے پتوں کی ہلکی ترش خوشبو آتی رہتی۔ چند مہینے کی رکھوالی اور محنت کے بعد جس میں نئے کنبے کے ہر فرد نے برابر کا حصہ لیا تھا' باغ نکھر آیا اور یہی ایک نظارہ تھا جو اس نئی جگہ پر ان لوگوں کے لئے سب سے زیادہ راحت بخش تھا۔

زمانہ ماضی میں باغبانوں کی ایک فوج تھی جو ہیڈ مالی کی نگرانی میں باغ کی دیکھ بھال کیا کرتی تھی اور مالک لوگ صرف کنجوں میں بیٹھ کر پڑھتے تھے یا سوتے تھے یا گھاس پر پارٹیاں منعقد کرتے تھے یا محض ٹہلتے تھے۔ یہاں ایک بوڑھا بیکار سا مالی ہاتھ لگا تھا اور اس سے زیادہ کی ان میں طاقت بھی نہ تھی۔ اس بات کو انہوں نے زندگی میں پہلی بار محسوس کیا تھا چنانچہ خاموشی اور رضامندی کے ساتھ ان میں سے ہر ایک نے اٹھ کر باغ کو سنوارنے میں اپنی سی کوشش کی تھی اور جب گھاس سرسبز اگ آئی اور گلاب کے پودوں پر پھول آنے لگے اور باغ کے رستے سیدھے اور صاف نکل آئے اور درختوں کے سائے گہرے ہو گئے تو انہیں عجیب سی خوشی محسوس ہوئی۔ "مسرت کی کتنی مختلف کیفیتیں ہیں۔" نجمی نے سوچا تھا۔

اسی عام رضامندی اور خاموشی کے ساتھ انہوں نے زندگی کی ہر چیز کو قبول کر لیا تھا۔ نجمی نے ایک کونونٹ میں آدھا وقت پڑھانا شروع کر دیا تھا۔ مالی ضروریات کی وجہ سے کم اور اپنے آپ کو مصروف رکھنے کی خاطر زیادہ' گو اس بات کا اس کے باپ روشن آغا کو علم نہ تھا۔ پرویز صوبائی حکومت میں اعلیٰ افسر تھا اور ایک پرانی اوپل گاڑی پر جو [illegible] تھا۔ [illegible] پہنچی وہ لوگ ساتھ لے کر چلے تھے سرحد پار کرتے وقت پچھلے افسروں نے جو کہ دونوں حکومتوں میں سے کسی ایک کے تھے وہیں رکھوالی تھی۔ بھاڑا آخر کار رشتہ مل سکا تھا اور انہوں نے گاڑی پر سفر کیا تھا) عرصے سے وہ راج محل میں بجلی لگوانے کی کوشش کر رہا تھا۔

راج محل کوٹھی کا نام تھا' اس کا سارا اجڑا تھا۔

خزاں کا موسم ابھی آیا نہیں تھا لیکن زمین و آسمان کے رنگ مدھم پڑنے شروع ہو گئے تھے۔ دنوں میں وہ شدید اداسی اور ٹھہراؤ آ گیا تھا جو پت جھڑ کے خاتمے پر آتا ہے۔ اور رات کو چاند نکلتا تھا۔ کاتک کی چاندنی سے لطف اندوز ہونے کے لیے آپ سردی کی وجہ سے زیادہ دیر باہر نہیں رک سکتے تھے اور باغ کے راستوں پر ٹہلتے ہوئے جگہ جگہ خشک پتوں کے ڈھیر ملتے تھے جنہیں باغبان دن بھر اکٹھا کرتا رہتا تھا۔ شوخ رنگوں کا اور دل کی بے چینی کا زمانہ ختم ہوا۔ اب یہ گہرے غم اور گہری خوشی کا موسم تھا۔ ابھی کچھ روز میں جاڑے شروع ہوں گے جب یہ تمام جذبے بھی ختم ہو جائیں گے اور صرف سردی اور حرارت کا احساس رہ جائے گا۔

بدلتے ہوئے موسم میں کیسا جادو ہوتا ہے۔ جیسے جوان عورت محبت کرتی ہے۔

پرویز دیر سے سامنے والے برآمدے میں ٹہل رہا تھا۔ دفتر سے واپس آ کر اس نے چائے پی تھی اور تھوڑی دیر کے لئے روشن آغا کے کمرے میں گیا تھا۔ اب اندھیرا بڑھ رہا تھا اور ہوا میں خنکی آ چلی تھی۔ وہ چلتے چلتے دروازے کے پاس رکا اور اندر سے کوٹ اٹھا کر پھر برآمدے میں نکل آیا۔ اندر روشن آغا بستر مرگ پر تھے۔ آج ساتواں روز تھا۔

لمبا چکر کاٹ کر وہ عمارت کی پچھلی طرف جا نکلا۔ اس برآمدے میں چراغ نہیں جلا تھا۔ ''کئی دن سے صفائی بھی نہیں کی گئی۔'' اس نے کنکروں پر سے گزرتے ہوئے سوچا۔ اس طرف گھاس اور خودرو جھاڑیاں بے تحاشا اُگ رہی تھیں۔ باغ کے اس حصے کی دیکھ بھال کرنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی تھی۔ اس چھوٹے سے بے ترتیب جنگل پر سرِ شام تاریکی اتر آتی تھی جو برآمدے تک پھیل جاتی تھی اور کسی کسی رات کو گیدڑ ادھر اُدھر سے جمع ہو کر شور مچایا کرتے تھے۔ برآمدے کی ٹوٹی پھوٹی' سیاہ کائی جمی سیڑھیاں جو اس جنگل میں اترتی تھیں نجمی کی پسندیدہ جائے نشست تھیں۔

پرویز کو دیکھ کر وہ چونک پڑی۔ ''بھیا...... کچھ ہوا؟'' اس نے پوچھا۔ ''پاگل پن کی باتیں مت کرو۔'' پرویز نے اعصابی لہجے میں کہا اور آگے بڑھ گیا۔ آگے کوٹھی کا جلا ہوا حصہ شروع ہوتا تھا۔ وہ وہاں سے ہوتا ہوا پھر سامنے والے حصے میں نکل آیا۔

کچھ دیر کے بعد اس نے اوپر کی منزل میں روشن آغا کے کمرے کا دروازہ کھول کر دیکھا۔ عذرا اس کی طرف پشت کئے کھڑی شال درست کر رہی تھی۔ روشن آغا کے [illegible] میں کچھ پوچھا۔ ''آ گئے تھے۔ آپ سو رہے تھے بابا۔'' عذرا نے [illegible] کر چادر درست کی اور باہر نکل آئی۔ ''روشن آغا [illegible] پوچھ رہے تھے۔ میں تھوڑی دیر کے لئے اپنے کمرے کو جا رہی ہوں۔'' اس نے پرویز سے کہا اور اطمینان سے چلتی ہوئی [illegible] میں غائب ہو گئی۔

پرویز نے جھجکتے ہوئے اندر قدم رکھا' رکا' پھر باہر نکل کر آہستہ سے دروازہ بند کر دیا۔ نیچے آ کر اس نے نجمی کے کمرے [illegible]

''[illegible]

کوٹ پہن لو۔ سردی ہو رہی ہے۔

چاند کی روشنی برآمدے کے ایک حصے پر پڑ رہی تھی۔ ان کے سامنے لمبی گھاس تاریکی میں سرسرا رہی تھی۔ پرویز نے کوٹ کا کالر کھڑا کر لیا۔

''روشن آغا کو علم ہو گیا ہے تمہارے کانونٹ جانے کا۔ عذرا بتا رہی تھی۔''

نجمی نے سہم کر اپنے بھائی کو دیکھا۔

''نجمی۔''

''ہوں۔''

''روشن آغا تکلیف میں ہیں۔''

''بھیا۔''

''ابھی پھر انہوں نے میرے متعلق دریافت کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں وہ ہر وقت انتظار میں ہیں۔ آج سات روز سے وہ جانکنی کی حالت میں ہیں مگر پورے ہوش و حواس میں ہیں اور انتظار کر رہے ہیں۔ آج آخری آرڈیننس جاری ہوا ہے۔ مکانوں کے نام قطعی نہیں بدلے جا سکتے۔ میں انہیں کیا بتاؤں۔ کیا فائدہ ہو گا آخر۔ عجیب ضد ہے۔''

''بس ان کی خواہش ہے۔''

''عجیب پاگل خواہش ہے۔'' پرویز نے چڑ کر کہا۔ آج تک اپنے باپ کے متعلق اس نے اس لہجے میں بات نہ کی تھی۔

نجمی نے دوبارہ اندھیرے میں اس کی طرف دیکھا۔

''نجمی۔''

''بھیا۔'' (اس نے محسوس کیا کہ وہ دونوں ایک بے حد پُرہول اور مصنوعی سطح پر ایک دوسرے سے مخاطب تھے)

''آخر اس میں...... فائدہ ہے۔ ہم کیوں نہ ان سے کہہ دیں۔''

''کیا؟''

''کہ نام بدل دیا گیا ہے۔'' وہ یکلخت خاموش ہو گیا۔ خاموشی کے اس مختصر وقفے کو دونوں نے جی کڑا کر کے برداشت کیا۔

''پھر؟ لیکن پھر؟''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اتنا وقت کہاں ہے۔ وہ اسی خبر کے انتظار میں ہیں۔ کسی زبردست خواہش کے پورا ہونے کے انتظار میں انسان کچھ عرصے تک موت کو بھی ٹال سکتا ہے۔ اس کی مثالیں موجود ہیں (نجمی نے لرز کر اسے دیکھا مگر اس نے بات جاری رکھی) اور پھر ... تب تک کیوں پہلے کہ تمہیں پتا ہے......''

''عذرا آپا مگر......''

''وہ اس وقت وہاں نہیں ہے۔ تم چاہو تو جا کر......''

''نہیں نہیں بھیا۔ آپ۔'' نجمی نے کمزور آواز میں کہا۔ پرویز نے انتہائی بدمزگی سے اس کی طرف دیکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

UrduPhoto.com

اوپر کمرے میں وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ روشن آغا آنکھیں کھولے سیدھے لیٹے تھے۔ ان کا چہرہ بستر کی چادر کی طرح سفید تھا۔ انھوں نے پرویز کی طرف دیکھا اور رہی سہی جان ان کی آنکھوں میں سمٹ آئی۔

پرویز نے پلنگ کی پٹی پر بیٹھ کر ان کا مردہ ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا: ''بابا! عرضداشت منظور ہو کر آ گئی ہے ...... یہ اب ...... روشن محل ہے۔''

روشن آغا کے بے روح چہرے پر سرخی کی ہلکی سی لہر دوڑ گئی۔ انھوں نے کچھ کہا مگر صرف ہونٹ ہلے پھر انھوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ پرویز کا خیال ٹھیک نکلا۔ وہ جلدی سے ہاتھ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ ایک لمحے کے لیے اس نے گہری نظروں سے مرتے ہوئے شخص کو دیکھا جو کہ اس کا باپ تھا اور جس کی آخری جدوجہد ختم ہو چکی تھی۔

اندھیرے میں بیٹھے بیٹھے نجمی نے پرویز کے تیز تیز سیڑھیاں اتر کر اپنے کمرے کی طرف جانے کی آواز سنی اور گھٹنوں میں سر دے کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

جب عذرا لوٹی تو روشن آغا مر چکے تھے۔ حسین نے، جو ہر لحظہ ان کی پٹی سے لگ کر بیٹھا رہتا تھا، اسے ساری بات بتائی۔ اس نے دیوانوں کی طرح مردہ جسم کو جھنجھوڑا اور چند بے سود آوازیں دینے کے بعد آندھی کی طرح پرویز کی تلاش میں نکلی۔

پرویز اسے کہیں بھی نہ ملا۔ صرف نجمی ملی جو پچھواڑے کی سیڑھیوں پر گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی۔ واپس جانے سے پہلے عذرا نے صرف اتنا کہا: ''تم...... جو اتنے اعلیٰ دماغ اور اتنی کمینگی کے اہل ہو۔''

اب وہ سب نشست کے کمرے میں جمع تھے سوائے عذرا کے جو لاش کے قریب بیٹھی قرآن مجید پڑھ رہی

تھی اور حسین جو اپنے مالک کی موت پر اونچے سُروں میں رو رہا تھا۔

نجمی سکول کے بچوں کو لے کر شہر کے ایک بڑے کلب میں گئی تھی جہاں بے گھر مہاجرین کی مدد کے سلسلے میں انہیں ایک ڈرامہ کرنا تھا۔ سکول کی سٹیج اس تقریب کے لئے بہت چھوٹی تھی۔ اصل پروگرام کے بعد Charity Ball منعقد کیا جانے والا تھا۔ جب وہ وہاں سے لوٹی تو پہلے عمران اور پھر دوسرے لوگوں نے تقریب کے سلسلے میں چند رسمی سوالات کئے جن کا اس نے عجیب اکھڑے اکھڑے لہجے میں جواب دیا۔ یہ دیکھ کر وہ خاموش ہو گئے اور پرویز اور اس کی بیوی کا انتظار کرنے لگے جو اسی کلب میں مدعو تھے۔

اگلے روز صبح سویرے نجمی لباس تبدیل کر کے سیدھی ناشتے کی میز پر آئی اور بغیر بات کئے کھانے لگی۔ اس کا چہرہ بہت زرد تھا۔ سب پر غیر معمولی خاموشی طاری رہی۔ پھر آہستہ آہستہ باتیں شروع ہوئیں۔ عمران عذرا کو نئے ہمسایوں کے متعلق بتانے لگا۔ سامنے ان کی ماں بیٹھی تھی۔ ساتھ نجمی' جو اپنے آپ کو مشکل سے سنبھالے ہوئے تھی۔ پرویز ڈریسنگ گاؤن لپیٹتا ہوا [illegible] کے لئے کہہ رہا تھا۔ نجمی نے توس کا ایک ٹکڑا اٹھا کر منہ میں رکھا اور ساتھ ہی اس کی چیخ نکل گئی۔ لقمہ پلیٹ میں آن گرا۔

"نجمی..... اس نے میری بے عزتی کی ہے۔" وہ تقریباً رو کر بولی۔

"کس نے..... کس نے۔ کیا ہوا؟" سب اٹھ کھڑے ہوئے۔

"[illegible]"

تین روز تک اس کا کھانا کمرے میں جاتا رہا۔ اس کی ماں اسے دیکھنے کو صرف ایک بار گئی۔ اس کے علاوہ گھر کا ہر فرد کئی کئی بار اس کی خیریت دریافت کرنے کو گیا۔ اس نے سب کو یقین دلانا چاہا کہ کوئی قیامت نہیں آ گئی بس ذرا طبیعت اوب گئی ہے' خود بخود ٹھیک ہو جائے گی۔ آخر تنگ آ کر اس نے سب کو آنے سے منع کر دیا۔ گھر بھر میں بہر حال سخت تشویش پھیلی ہوئی تھی' کیونکہ اس کے کمرے کا لیمپ بھی بہت شام پڑنے پر جلا کرتا تھا۔

ہوا کیا تھا؟ اس نے لیٹے لیٹے سوچا۔ یہی کہ اتنے عرصے بعد وہ ملا اور بڑے اخلاق سے کھڑا باتیں کرتا رہا۔ بڑے معمولی روزمرہ کے انداز میں ہاتھ میں گلاس تھامے اسی طرح دلکش اور پُراسرار۔ پھر اس نے بڑے ادب سے رخصت لی اور چلا گیا۔

لیکن اس نے جو کیا! اور اس کا وہ کمینے پن کا رویہ!

وہ اٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔ کمرے میں تقریباً گھپ اندھیرا تھا۔ سردی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے بستر پر سے شال اٹھا کر کندھوں پر ڈالی اور ہاتھ پر ٹھوڑی ٹکا کر باغ کے اندھیرے میں دیکھنے لگی۔

"ہلو نجمی بیگم۔" وہ یکلخت کہیں سے نکل کر اس کی طرف آ رہا تھا۔

"مسعود؟ ارے ہلو..... تم شہر میں ہو اور ہمیں خبر ہی نہیں۔"

"جی ہاں۔ کہیے کیسی گزر رہی ہے؟"

"مزے میں ہیں۔ مگر کم از کم تم ہی مل لیتے۔"

''وہ دراصل...... اِدھر کچھ عرصے سے کافی مصروفیت رہی'' وہ ہنسا۔ ''اررر''

''بھئی حد ہوگئی۔''

''کہیے آپ وہ ہوا راس آگئی نئی جگہ کی؟''

''ہاں بھئی' گزر رہی ہے۔''

''آپ کے سکول کا پروگرام بڑا دلچسپ رہا۔''

اسے دھچکا سا لگا' لیکن بشاشت سے بولی: ''اچھا؟ شکریہ۔ تم تو بڑے باخبر آدمی ہو نا!''

وہ دوبارہ ہنسا۔ ''پرویز صاحب نے بتایا تھا۔''

وہ خاموش رہی۔

''ان سے ایک آدھ بار یہیں پر ملاقات ہوئی۔ بجلی کے محکمے کے ہاتھوں خاصے نالاں تھے۔''

''ابھی ہم اندھیرے میں ہیں۔'' نجمی نے خوشدلی سے کہا۔

''اور...... وہ آپ کے ہاں [illegible] تقریب ہو [illegible] تھا۔ پرویز کب سے رہے ہیں روشن آغا؟ ہمیں مدعو کرنا مت بھولیے گا۔''

''ارے نہیں بھئی......'' آنسو اس کے گلے میں آ کر اٹک گئے۔ وہ خاموش کھڑا گلاس میں سے زرد رنگ کا مشروب پیتا رہا۔ پھر اس نے بڑے ادب سے جھک کر رخصت لی۔

''[illegible] وقت [illegible] ہو گئی [illegible] دکھائی رہی ہے اس مجمعے میں [illegible] اس سے کہ وہ پھر غائب ہو جائے...... تو آپ بھی بڑی پرانی دوست ہیں۔ خدا حافظ۔''

''آپ آپ پہ لعنت ہو۔'' نجمی نے دل میں کہا۔

رقص شروع ہونے پر وہ اپنے کونے میں بڑے مطمئن' بڑے خوش فہم انداز میں کھڑی رہی' جیسے کہ اسے کسی بات کا' کسی واقعے کا انتظار تھا۔ سامنے مسعود ایک نوجوان عورت کے ساتھ ناچ رہا تھا اور ہنس رہا تھا اور باتیں کر رہا تھا۔

''اچھا ناچ لیتی ہے۔'' نجمی نے بے دھیانی سے سوچا۔

پھر وہ ناچتے ہوئے اس کے قریب سے گزرے۔ معاً مسعود نے ایک مختصر لمحے کے لیے بڑی گہرائی' بڑے طنز سے اس کی طرف دیکھا' جیسے یہ ساری تیاری اس نے اس ایک لمحے کے لیے کی تھی۔

"Bravo"...... اس نے سرگوشی میں کہا اور گزر گیا۔ نجمی نے پلٹ کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ ''ہو سکتا ہے کہ اس کی وہ چھلکتی ہوئی نگاہ اس کے لیے مخصوص نہ ہو اور جو کچھ اس نے کہا محض اپنی رقص کی ساتھی سے کہا ہو۔'' اس نے سوچنا چاہا۔ لیکن وہ کسی کا انتظار کیے بغیر تیر کی طرح باہر نکل آئی۔

تین دن۔ اور یہ مختصر سا منظر اس کے ذہن پر نقش ہو کر رہ گیا۔ خدایا۔ اس نے کھڑکی بند کر دی۔

اب گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا اور وہ کرسی پر بیٹھی تھی۔ ''ستائیس برس کا'' اس نے دفعتاً سوچا۔ ''چند مہینے میں اٹھائیس برس ہو جائیں گے۔ کیسی عجیب بات ہے۔ یہ سارا وقت' سارا عظیم الشان وقت بیکار میں گزر گیا۔ میری ساری تعلیم' تربیت' زندگی کی اعلیٰ اقدار جن میں یقین کرنا مجھ کو سکھایا گیا' اعلیٰ دماغ' اعلیٰ زندگی' ان ساری باتوں

کے باوجود آج لیکن اس جگہ پر آ گئی ہوں جہاں ان سب سے الگ ہو کر اپنے متعلق سوچ رہی ہوں۔ شاید میں بوڑھی ہو گئی ہوں۔ آج سے اٹھائیس برس کے بعد میں کیسی لگوں گی؟ مجھے کیا غرض، کسی کو کیا غرض۔ خزاں کا موسم بھی گزر گیا، ہم کیا کر سکتے ہیں۔ اب یہاں پر گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے اور بہت سی زندگی میرے قریب سے تیزی کے ساتھ گزر گئی ہے۔ سارے گیت پرانے ہو گئے، ساری چیزیں اتنی قدیم، اتنی کہنہ سال ہیں، میرے سمیت۔ لیکن اگر میں سمجھوں کہ میں وقت سے الگ تھلگ، ایک مکمل اور خود مختار اکائی کی طرح سے بیٹھی رہی تو...... یہ سراسر غلط ہے۔ زندگی میرے اندر سے گزری ہے۔ میرے سر میں سے، میرے سینے میں سے، میرے پیٹ میں سے، میری ٹانگوں میں سے، اور وقت کے نشان میرے اوپر موجود ہیں۔ آثار قدیم۔ میرے چہرے پر، چھاتی پر، پیٹ پر، ٹانگوں پر۔ میں نے دیکھا ہے۔ اب میں کیا کرنے والی ہوں؟ کیا؟"

اس نے ایک ایک کر کے سارے کپڑے اتار کر فرش پر گرا دیئے اور اندھیرے میں کرسی کا سہارا لئے کھڑی رہی۔ باہر تاریک گیلری میں سے کوئی گزرا۔ اندر اس نے صرف پاؤں کی چاپ سنی۔ کسی کی موجودگی کو محسوس نہ کیا۔ وہاں صرف وہ وجود تھی اپنے سارے احساس [illegible] اس نے اندھیرے میں ہاتھ پھیلایا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کی کہ اسے دکھائی دینے لگا۔ اس کی ٹانگیں، کمر، چھاتی، بازو، ایک مبہم اور بے تکا بے ہیئت ہیولا، بے رنگ، بے کار۔ "یہ کرسی بھی زیادہ خوبصورت ہے۔" اس نے بے تکے پن سے سوچا۔ اب وہ آہستہ آہستہ اپنے سارے جسم پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ پہلے کئی بار اس نے اپنی ٹانگوں پر اور اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرا تھا لیکن آج تک کبھی اپنے جسم کو اس [illegible] اب وہ آہستہ آہستہ فرش پر [illegible] کمرہ مانوس تھا اور وہ سارے راستوں، ساری چیزوں سے واقف تھی۔ ٹھوکر کھائے بغیر وہ سارے کمرے میں گھومتی اور اپنے آپ کو چلتے ہوئے دیکھتی رہی۔ ڈھیلے ڈھالے پھیلے ہوئے کولہے، بے ڈھنگے پن سے حرکت کرتے ہوئے کولہے اور ٹانگیں جو خشک سیاہ اور جھری دار کھال والے ہزاروں سال پرانے درختوں کی مانند اندھیرے میں سے اگ رہی تھیں، اور لٹکتی ہوئی چھاتیاں، بکرے کے پھیپھڑے کی طرح کے بے ڈھنگے رنگ کی، پلپلی اور پھولی ہوئی اور ہلکی اور پیٹ ناریل کے بالوں کا سا، کھردرا اور بدبودار، پھر کولہے، بے ڈھنگے پن اور بے شرمی سے حرکت کرتے ہوئے کولہے، رکو، رک جاؤ...... بے آواز شور کے ساتھ کوئی چیخا۔ یکلخت وہ جہاں کی تہاں سرد پڑ گئی۔ پاگل بصیرت کے ایک لمحے میں اس نے ساری بات کو محسوس کر لیا تھا کہ سارا وجود، سارا وقت ایسا بدہیئت ایسا کریہہ المنظر تھا۔ وہ کمرے کے وسط میں ٹانگیں پھیلائے آسانی سے اپنے آپ کو سنبھالے کھڑی رہی۔ بڑی دیر کے بعد آہستہ آہستہ ایک خیال اس کے ذہن میں جاگا۔ "یہ ہماری ساری میراث ہے۔ اس بارے میں ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ صرف فخر کر سکتے ہیں۔"

گیلری میں قدموں کی چاپ قریب آئی اور کسی نے دروازہ کھولا:

"بیبا...... بیبا کھانا۔"

"جاؤ۔ باہر جاؤ۔" وہ پاگلوں کی طرح چیخی۔ خادمہ بدحواس ہو کر الٹے پاؤں بھاگ گئی۔

کچھ دیر تک سن رہنے کے بعد اس نے کپڑے پہنے اور لیمپ جلا کر آہستہ سنگار میز کے سٹول پر بیٹھ گئی۔ وہ کپکپا رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ اس کے بال، جو کافی عرصے سے گر رہے تھے بہت ہلکے ہو چکے تھے اور آنکھوں کے نیچے تھیلیاں بن گئی تھیں اور رخساروں کی ہڈیاں ابھر آئی تھیں اور جلد کا رنگ خاکستری ہو گیا تھا۔ افسوس یا نقصان

UrduPhoto.com

عظیم کے کسی جذبے کے بغیر وہ وہاں بیٹھی شیشے میں دیکھتی رہی۔ ''تمہارا رویہ کچھ غلط نہیں تھا۔'' اس نے دل میں کہا۔ ''تمہیں الزام نہیں دیا جا سکتا۔ تم پر بہر حال خدا کی لعنت ہو۔ مسعود!''

جب وہ وہاں سے اٹھی تو حیرت انگیز طور پر پُرسکون تھی۔ وہ سیدھی پرویز کے کمرے میں گئی جس نے اسے پاس بٹھا کر حال پوچھا اور اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

''بھیا۔ آپ کلب نہیں گئے۔''

''کل جاؤں گا۔''

''بھیا۔''

''کہیے بٹیا!''

''ہم بھی آپ کے ساتھ جائیں گے۔''

''اچھا بٹیا۔''

وہ کلب کے ہال کمرے میں بیٹھی ایک انگریز عورت سے باتیں کرتی رہی۔ اس عورت کا خاوند سول کا بڑا عہدیدار تھا اور وہ لوگ مستقل طور پر پاکستان میں بسنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ اس نے بجی کو مشورہ دیا کہ یہاں پر وقت ضائع کرنے کی بجائے اس کو انگلستان جا کر پڑھنا اور یورپ کا دورہ کرنا چاہیے کہ دنیا کا سارا آرٹ یورپ میں تھا۔ بجی بڑی پرسکون متوازن آواز میں [illegible] باتیں [illegible] جب پرویز اٹھ کر اس کی طرف آیا: ''[illegible] پیچھے [illegible]''

''ابھی ہمارا جی جانے کو نہیں کرتا ہے بھیا۔''

''اچھا تو میں سلیم الرحمان کے ساتھ جاتا ہوں' آپ جلد آ جائیے گا۔ مسز میکفرسن میں اپنی بہن کو آپ کی معیت میں چھوڑے جاتا ہوں۔ شب بخیر۔''

''شب بخیر۔'' مسز میکفرسن نے کہا۔ پرویز نے موٹر کی چابی اس کے حوالے کی اور احتیاط سے ڈرائیو کرنے کی پرانی ہدایت دے کر چلا گیا۔

کچھ دیر کے بعد مسعود اندر داخل ہوا۔ اس کے ہمراہ ایک اور نوجوان فوجی افسر تھا۔ ان کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے جھک کر سلام کیا اور دوسرے کونے میں جا کر بیٹھ گیا۔ ہال میں سے لوگ اٹھ اٹھ کر بغل کے کمروں میں جانا شروع ہو گئے تھے جہاں بلیئرڈ اور شطرنج ہو رہی تھی اور لائبریری تھی۔ بجی نے اٹھتے ہوئے معمول سے اونچی آواز میں اپنی ساتھی سے معذرت کی اور باہر نکل آئی۔ برآمدے میں چاندنی تھی اور ستونوں کے سائے تھے اور ہوا میں خوشگوار خنکی تھی۔ وہاں کھڑے کھڑے اس نے اپنی موٹر کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔ سامنے کلب کے وسیع تر لان پر خاموش' خواب آلود چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ اندر سے ہلکے ہلکے قہقہوں اور باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ اکیلی برآمدوں میں گھومتی پھری۔ اسے اتنا عجیب لگا۔

پھر وہ مغربی برآمدے کی طرف پلٹی۔ اندر وہ ہال کے فرش کو عبور کر کے مغربی دروازے کی جانب آ رہا تھا۔ ہال میں ریڈیو گرام پر کوئی ریکارڈ بجانے لگا۔

برآمدے کی سیڑھیوں پر نجمی کو کھڑا پا کر وہ ٹھٹک گیا۔ وہ بڑے معمولی‘ لاتعلق انداز میں کھڑی تھی اور بڑی خوبصورت لگ رہی تھی۔

’’ہیلو نجمی۔‘‘

’’ہلو۔‘‘ اس نے سادگی سے کہا۔ ’’راجی کھسی؟‘‘

’’راجی کھسی۔‘‘ وہ ہنسا۔ ’’پرانی باتیں ان جگہوں پہ عجیب لگتی ہیں۔ آیئے ٹہلیں۔‘‘

’’میں گھر جا رہی ہوں۔‘‘

’’لوگ اتنا تمباکو پیتے ہیں۔ تازہ ہوا کی محبت میں تڑپ کر باہر نکلا ہوں۔ اندر۔‘‘

’’لوگوں کے پاس ڈھیروں گاڑیاں ہیں۔ میری بیچاری اوپل ... جانے کہاں رکی کھڑی ہے۔‘‘ اس نے بڑے اعتماد سے کہا۔ ’’آیئے تلاش کریں۔‘‘

تلاش کرنے کی بجائے وہ لان کے کنارے کنارے ٹہلتے رہے۔ مسعود سگریٹ جلانے کے لئے رکا۔ پھر اس نے سر اٹھا کر نیچے سے اوپر تک اسے دیکھا [illegible] آگے آگے جا رہی تھی۔ اس نے سبز رنگ کی ساری پہن رکھی تھی جس میں ستارے لگے تھے اور اس کی چال میں‘ سارے جسم کی حرکت میں اتنی گریس‘ اتنا لہراؤ اور اتنی اٹھان تھی۔ اور اس کا جسم ...... کمبخت برابر پہنچ کر اس نے سوچا کہ یہ بھرپور جوان عورت بڑی حسین‘ بڑی دلفریب تھی۔

’’[illegible]‘‘

نجمی [illegible] نے ایم جیسے [illegible] کرتے اسے دیکھا۔

اس کا یہ پیارا‘ دلکش انداز۔ اور آنکھیں‘ سیاہ‘ پُراسرار‘ ذہین۔ اور اوپر اٹھا ہوا خوبصورت مغرور سر‘ اور کھڑی ناک‘ کلاسیکل۔ اور اس کی آواز‘ اتنی نرم‘ اتنی پُرسکون۔ کلاسیکل تہذیب‘ دماغ۔ اس میں کوئی عشوہ ادائی‘ کوئی عشوہ نمائی نہیں۔ مسعود نے سوچا‘ خدایا یہ کیسی بلا کی پُرکشش عورت ہے۔

’’ہوں۔ تو یاد ہے تمہیں؟‘‘ اس نے کہا۔

نجمی کے قدم تیز ہو گئے اور عرصے کا رکا ہوا غصہ اس کے دماغ کو چڑھا۔ وہ بالکل بھول گئی کہ یہ ساری تیاری اس نے محض اس وقت کے لئے کی تھی۔

’’رکو نجمی‘ سنو مجھے تم سے بات کرنی ہے۔ ازحد ضروری۔ بھئی حد ہے۔‘‘

وہ اور تیز ہو گئی۔ مسعود نے دوبارہ اسے روکنے کی کوشش کی: ’’ٹھہرو ایک لحظہ۔ مجھے افسوس ہے‘ مگر سنو میں تمہارے گھر آ سکتا ہوں؟ تم بڑی خوبصورت لڑکی ......‘‘

’’بھئی واہ ...... کمال ہے۔‘‘ اس نے خفگی سے کہا اور گاڑی میں بیٹھ کر دروازہ بند کر لیا۔

وہ دروازے پر جھکا رہا۔ ’’تم جو کہو لیکن میں ضرور آؤں گا۔ تمہیں میری بات سننا پڑے گی۔ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں ......‘‘

وہ انجن سٹارٹ کرتے ہوئے سخت جھلا گئی۔ ساری گزشتہ خفت‘ شرمندگی‘ شکست اور کمینگی یکلخت غصے کی تند لہر بن کر اٹھی اور اس پر چھا گئی۔

''شب بخیر... شب بخیر۔'' اس نے تیزی سے کہا۔
مسعود صدیوں کی طرح ٹانگیں پھیلائے' سینے پر ہاتھ باندھے گھر' دور تک موٹر کی روشنیوں کو دیکھتا رہا۔
اگلی بہار کے موسم میں ان کی شادی ہوگئی۔

اس بات کو چند مہینے گزر چکے تھے۔ مسعود کی تعیناتی ایک غیر آبادی چھاؤنی میں ہوگئی تھی جہاں وہ پتھروں کے بنے ہوئے ایک مکان میں رہتے تھے۔ سمندر وہاں سے قریب تھا اور ان کی سب سے بڑی تفریح ساحل سمندر پر جا کر ٹہلنے میں تھی۔ بظاہر وہ بڑی محبت اور بڑے اطمینان کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

لیکن کبھی کبھی شاموں کو جب انہیں گھر پر رہنا پڑتا تو دل کی بے چینی عود کر آتی اور وہ ایک دوسرے سے الگ ہو کر اپنی اپنی جگہ پر مختلف طور پر سوچنے لگتے اور وہ بڑا عجیب محسوس کرتے کہ ایسا کیوں کر تھا کہ وہ اس طرح سے سوچنے پر مجبور تھے۔

ایسی ہی ایک شام کو جب اس کا خاوند سرد آتشدان کے قریب بیٹھا ایک کتاب میں مشغول تھا' تبھی نے اون کے گولے اور ادھ بنا سوئیٹر آہستہ سے ایک طرف رکھا اور اٹھ کر برآمدے میں آ بیٹھی۔ شام بڑی شفاف اور خوشگوار تھی اور فضا میں ہرے پتوں کی مہک تھی۔

''سمندر پر اس وقت چاند طلوع ہو رہا ہوگا۔'' اس نے سوچا۔ ''اور یہاں برآمدے میں بڑا سکون ہے۔ سکون؟ اوہ... [illegible] اور ادھر تمہارا خاوند موجود ہے جو تم سے محبت کرتا ہے۔ لیکن پتا نہیں کیا سوچتا ہے۔ کیا تم کبھی اس کی سوچ کو جان سکتی ہو؟ باوجود ساری باتوں کے کبھی اس کے خوابوں میں شریک ہو سکتی ہو؟ ہم کس میں شریک ہیں؟ محض اپنے آپ میں۔ اپنے خواب ہم آپ ہی دیکھتے ہیں' اور تنہا ہیں۔ اور اگر سوچا جائے تو اس دوسرے شخص نے تمہارے اوپر کتنا ظلم کیا ہے۔ ایک معاہدے کی رو سے تم نے (تم دونوں نے؟) بڑی شفقت سے نباہ کیا ہے مگر خلوص باقی ہے اور کنوار پنے کی سہانی یاد جو اس بری طرح سے کھٹکتی ہے۔ جیسے دل ٹوٹ جاتا ہے۔ یادداشت؟ لعنت ہے۔'' اس کی سوچ جاری رہی۔

''کتنی ہی شامیں ہیں جو زندگی میں ہمیں تنہا اور سوگوار چھوڑ کر گزر جاتی ہیں۔ زندگی اس قدر غیر حقیقی ہے اور پھر اس قدر تکلیف دہ طور پر حقیقی بھی... کیونکہ ہم پھنس چکے ہیں۔ محض اگر ہم تلاش کو ترک کر دیں۔ چھوٹے بڑے سہارے جو ہمارے دل کی شکست ہیں۔ محض اگر ہم بھول جائیں۔

''ہم شاید زیادہ تر عرصہ خوش ہی رہتے ہیں' لیکن ہماری یادداشت ہے جو کچھ بھی جانے نہیں دیتی۔ ہم چیزوں کا' باتوں کا فہم بھی رکھتے ہیں مگر حقائق' عمیق احساس فہم سے بالاتر ہے۔ یہ صرف ہمارے پاس 'ہے' یا 'نہیں ہے'۔ 'ہے' یا 'نہیں ہے'۔ صرف یہ!''

''خاموش رہو اور بھول جاؤ کہ اس میں بھی نجات ہے۔ (پر کہنے سے کیا ہوتا ہے بھائی ذرا بھول کے تو دکھایئے۔)

''کل میں نے اتنا غل مچایا' نوکر پر برسی' اتنے قہقہے لگائے' برج کے کھیل میں اتنا جھگڑا کیا' گھنٹوں باتیں کیں اور بلاوجہ چائے پیتی گئی۔ کچھ کے خلاف غم و غصے کا اظہار کیا' دوسروں کی تعریف کی' کچھ کو دور سے دیکھ کر پسند کیا اور نزدیک جانے کی حسرت باقی رہی' کچھ کے سامنے اپنی متعدد خواہشوں کا اظہار کیا۔ پھر شام کے وقت اکیلی

بیٹھی تھی کہ آپ سے آپ سوچ آئی اس سارے وقت میں جو کچھ میں نے کیا اس کا کیا جواز پیش کر سکتی ہوں؟ نقصان عظیم کا احساس پیدا ہوا جو تھوڑی دیر میں زائل ہو گیا۔

''زندگی کی اونچ نیچ' چمک دمک' نیک و بد کو میں نے انگلیوں میں سے نکال دیا ہے۔ جیسے اس ٹنڈ منڈ درخت کی شاخوں میں سے ہوا گزر رہی ہے۔ میری انگلیوں میں سوراخ ہیں۔ ہم بھلا دیے جائیں گے۔ جیسے وہ سب بھلا دیے گئے جن میں سے بعض کے پاس ٹوٹے پھوٹے کتبے رہ گئے ہیں' باقی کے پاس یہ بھی نہیں۔ کیا فرق پڑا؟ کیا فرق پڑتا ہے۔ صرف اگر میرے دماغ میں بھی سوراخ ہوتے تو میں یادداشت کو باہر نکال دیتی۔ چلو نکلو باہر جاؤ' ابھی فوراً۔''

''دنیا میں جو انقلاب آئے' جو لڑائیاں لڑی گئیں ان میں وہ سب بخیر و عافیت ختم ہوئے۔ کچھ نوکروں نے اٹھ کر مالکوں پر قبضہ کر لیا۔ کچھ مالکوں نے اٹھ کر نوکروں پر قبضہ...... جاری رکھا۔ تاریخ اس طرح بنتی ہے۔ انسان اہم نہیں ہیں' واقعات ہیں۔

''کیا وہ خوبصورت اور ذہین اور بہادر لوگ نہ تھے؟ کیا انہوں نے ہماری طرح عظیم منصوبے نہ بنائے تھے؟ ان میں سے بعض نے بے پناہ دکھ نہ اٹھائے تھے؟ کیا انہوں نے یہ ساری تیاریاں اس لیے کی تھیں کہ ان کی اموات کی وجوہات کی فہرست بنا کر تاریخ مرتب کی جائے؟ کیا فرق پڑتا ہے۔ موت ابھی تک موجود ہے جو سب سے زیادہ اہم ہے۔ تاریخ سے بھی زیادہ۔

''[illegible] والا درخت خاموش کھڑا [illegible] اور [illegible] کا انتظار [illegible] ہمارے کا بھی انتظار نہیں کر[illegible] ہمارے [illegible] پہلی [illegible] یادو[illegible] ہیں [illegible] جب [illegible] ہیں گے تو شاید بے حد حیران و پریشان ہوں گے۔

''رات میں اپنے تیرے وجود کو' تیرے وجود کے اسرار کو محسوس کیا ہے۔ جیسے ان سب نے بھی کیا جو یہاں رہے ہوں گے۔ تیرا کیا خیال ہے کہ میں تجھے یاد رکھوں گی؟ سراسر غلط۔ میں تجھے بھول جانے کی ازحد کوشش کروں۔

''لیکن تو مجھے یاد آتی رہے گی اور سب چیزوں کی طرح۔ یہ تیری اور سب چیزوں کی اکٹھی سازش ہے۔ کمینی۔''

پیچھے کھڑکی میں اس کے خاوند کا سر نمودار ہوا۔ ''اندر آ جاؤ' بھئی۔ رات پڑ گئی ہے۔'' وہ خاموش بیٹھی رہی۔

''تم جو اتنے معتبر بنے بیٹھے ہو' کیا تم سمجھتے ہو کہ کرنل یا جنرل بن کر مرو گے؟ ٹھیک ہے۔ ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ بھی ٹھیک ہے کہ بہرحال مرو گے۔ تو پھر کیا نتیجہ نکلا؟ کون فائدے میں رہا' تم یا موت؟ میدان جنگ میں یا ملٹری ہسپتال میں یا کسی بھی ہسپتال میں' آخری فیصلے میں گھاٹے میں تم ہی رہو گے میرے عزیز' تم' جس نے زندگی میں اتنی محنت کی اور اس کا پھل پایا۔ اس وقت تم بڑے مسخرے لگو گے۔ تم نے میرے باپ کو مرتے ہوئے دیکھا تھا؟ اور حسین کو جو کتے کی طرح رو رہا تھا؟''

''کتنے ہی دکھ ہیں جنہیں ہم نظر انداز کر دیتے ہیں اس لیے کہ وہ دوسروں کے ہوتے ہیں۔ لیکن دوسروں کی زندگیاں ہماری زندگیوں میں شامل ہیں' ان کے دکھ ہمارے دکھوں میں۔ نعیم کا کیا بنا؟ نعیم کا کیا بنا؟'' اس نے بلند آواز سے دہرایا۔

''شاید فسادات میں مارا گیا۔ کچھ ٹھیک پتا بھی نہیں۔'' قریب سے مسعود نے جواب دیا۔ وہ جانے کب کا

چکا ہوں۔ ایک طرف میری خواہشیں ہیں' دوسری طرف میری زندگی ہے' ان کے درمیان ...... تم اسے نہیں سمجھ سکتیں کیونکہ تم تیسری نسل ہو۔ لیکن تمہارے بزرگوں میں سے کسی نہ کسی نے یہ سب کچھ بھگتا ہو گا۔ یاد رکھو۔''

عذرا نے شاید اس کی بات نہ سنی' اس لئے کہ تبھی وہ بول اٹھی: ''حصول مسرت کی خاطر ہم اتنی محنت اٹھاتے ہیں' پھر محنت منانے کی خاطر اتنا دکھ سہتے ہیں' اس کے بعد موت آتی ہے۔ میں تمہارے ساتھ سوؤں گی پر اپنے خواب دیکھوں گی' اس لئے کہ میں بھول نہیں سکتی۔ زندہ رہنے کے لئے اتنی کمینگی پر اترنا پڑتا ہے۔

''مسعود سو گئے ہو؟ سنو ایک بات میری سمجھ میں آئی ہے' بہر حال۔ روح میں بڑی طاقت ہے۔'' اتنا کہہ کر عذرا نے اس کے کندھے پر سر رکھا اور تھوڑی دیر میں گہری نیند سو گئی۔

مسعود نے بڑے رحم اور محبت سے اسے دیکھا۔ تم بڑے سکون کی نیند سو رہی ہو۔ اس نے سوچا۔ لیکن تم بھی اسی نسل سے تعلق رکھتی ہو۔ اور یہ نسل اپنی ذات میں بٹ چکی ہے۔ تم نے روح میں پناہ ڈھونڈی ہے' مگر میں نے تو بڑے بنیادی انسانی جذبوں سے زندگی کا سبق سیکھا ہے۔ محبت' نفرت' خوف' لالچ ...... میں روح میں یقین نہیں رکھتا۔

بڑی دیر تک وہ عذرا کو جگانے [illegible] سے بے حس و حرکت [illegible] رہا پھر اسے بھی نیند آ گئی۔

(۵۰)

''[illegible] نے [illegible] کی [illegible] پر [illegible] ڈالی [illegible] ٹہنیوں پر سے نظر اٹھا کر سوچا اور [illegible] بڑے احساس [illegible] ساتھ [illegible]۔ وہ مہران [illegible] ہیں اور بن رہی تھی دھوپ لان پر پھیل گئی تھی اور سبزے کے کنارے کنارے گلاب کے پھول مرجھاتے جا رہے تھے۔ چند روز پہلے عذرا کی شادی ہوئی تھی اور وہ وہاں سے جا چکی تھی۔ اب فضا میں چیلوں کے بولنے کی آواز تھی۔ بہار کا موسم بھی ختم ہوا۔ میرے اسرار کو کون جانتا ہے؟ اس نے دوبارہ سوچا۔

لیکن یہ سوچ ان معدودے چند خیالات میں سے ایک تھی جو کبھی کبھار آپ سے آپ اس کے دماغ میں آتے چلے جاتے تھے۔ عموماً وہ سوچ سے گھبراتی تھی کہ یہ اس کے لئے بڑا مشکل کام تھا۔ ہمیشہ کی طرح اس کا ذہن ایک کامل آگاہی کی حالت میں کام کرتا رہتا تھا۔ لیکن ذہن کی اس چوکسی کے باوجود اس کے جینے کے احساس میں کبھی کوئی کمی واقع نہ ہوئی تھی۔ وہ سب کچھ جانتی اور محسوس کرتی تھی اور زندہ رہنے کے قدیم عمل کو اس نے مکمل طور پر اپنے آپ میں جذب کر لیا تھا اور اس سے اس کے وجود میں وہ توانائی پیدا ہوئی تھی جس کے سہارے وہ اور دنیا کے کروڑوں چھوٹے چھوٹے انسان روزانہ زندہ رہ رہے تھے۔ وہ دن رات کے سارے کام بڑے سکون' بڑی آگاہی اور نرم روی کے ساتھ کرتی تھی۔ اس کی زندگی میں شکایتوں اور پچھتاووں کا وجود نہ تھا کہ یہ بھی اس کے لئے بڑا مشکل کام تھا۔

پرویز گھر کا اکلوتا فرد تھا جو یہ سارا سلسلہ چلا رہا تھا اور بڑی دریا دلی کے ساتھ اپنی ماں اور بہن کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھا۔ وہ بڑی محنت سے کام کرتا اور سرکاری حلقوں میں ایک کامیاب اور دیانت دار افسر خیال کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے فرائض میں روزانہ اپنی ماں اور بہن کے پاس الگ الگ بیٹھ کر تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی ان کی خیریت دریافت کرنا اور ہر دوسرے تیسرے دن اپنی بیوی کے ساتھ الجھنا اور اسے اس بات کا قائل کرنے کی

کوشش کرتا کہ دونوں دوسری عورتوں کا دنیا میں اور کوئی سہارا نہ تھا اور کہ اب ساری عمران کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا اور ان کا بوجھ اٹھانا ان دونوں میاں بیوی کا اخلاقی فرض ہو چکا تھا' شامل تھا۔ اس کی بیوی کا عذرا کی طرف جو پرانا برتری کا رویہ قائم تھا اس میں اب اس کے لئے حقارت بھی شامل ہو چکی تھی کہ پچھلے ہجرت اور موروثی جائداد کی گم کردگی اور اس کے بعد اس کے خاوند کی گم شدگی اور روشن آغا کی موت اس گھر میں اب اس کی حیثیت صفر کے برابر رہ گئی تھی اور زندگی کی کوئی شے اس کے حق میں نہ رہی تھی۔ عذرا کے لئے پرویز کی بیوی کا یہ رویہ معمول میں شامل ہو چکا تھا اور اس کی پروا کئے بغیر وہ اپنے آپ کو دن بھر کے چھوٹے بڑے کاموں میں مصروف رکھتی تھی۔ صبح سویرے سارے کمروں کی صفائی اپنی نگرانی میں کرانا اور نجمی کے جانے کے بعد باغ کی دیکھ بھال کرنا اس کے فرائض میں شامل تھا۔ اس کے بعد وہ لان میں اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ کر بڑے انہماک سے عمران کے لئے پُل اوور یا پرویز کے لئے موزے بنتی رہتی اور کبھی کبھار اپنی بھاوج کے کہنے پر باورچی خانے میں جا کر خانساماں کی مدد کرتی۔ چند ایک بار ایسا بھی ہوا کہ سرکاری تقریبوں کے موقع پر پرویز اپنی بیوی کی علالت کی وجہ سے اور اس کے اجازت دینے پر اپنی بہن کو ہمراہ لے گیا اور اس نے بڑی خوش اسلوبی اور وقار سے ساتھ اپنے بھائی کے خاندانی اور سرکاری رتبے کے مطابق اپنے فرض کو انجام دیا۔ گھریلو مجلسوں میں البتہ اس کی حیثیت کمتر تھی۔ وہ بے معنی اس کے بعد صرف ملازمین آتے تھے۔ اس کے باوجود آخری وقت پر کسی نہ کسی طرح تیار ہو کر وہ منظر پر آ جاتی اور اپنی بھاوج سے الگ الگ' اپنی پرانی گریس کے ساتھ مہمانوں میں گھومتی پھرتی اور ان کی خیریت دریافت کرتی۔

[illegible] وہ بڑے سکون اور سبھاؤ کے ساتھ اس سے باتیں کرتی اور اس کی ضروریات کا خیال رکھتی۔ اس کی موت کا عذرا کو کبھی خیال نہ آیا تھا جیسے کہ اس سے پہلے اور اس کے بعد کبھی بھی اسے کسی کی موت کا خطرہ لاحق نہ ہوا تھا۔ مستقبل کے اندیشوں کا اس کی زندگی میں کہیں بھی دخل نہ تھا۔ وہ وجود کی ایک بڑی حقیقی' بڑی عام فہم اور بڑی ٹھوس سطح پر زندہ تھی۔ اس کی شخصیت یکجا اور پائیدار تھی۔ اس کا ظ سے وہ اپنی مخصوص معاشرت اور پس منظر کے باوجود دنیا کے ان گنت چھوٹے چھوٹے لوگوں کی' جیسے کہ اس کے مالی یا بیرے یا خانساماں تھے' نمائندہ تھی۔ وہ لوگ جو زندگی کے تمام تر عدم تعاون کے باوجود' کچھ نہ جانتے ہوئے بھی' دنیا کے عظیم کاروبار کو چلانے کے چکر میں بڑی توانائی کے ساتھ ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔

کبھی کبھی نعیم کا خیال آتا تو اس کے دل میں بے اختیار درد پیدا ہوتا' مگر اور باتوں کی طرح یہ بھی اب معمول بن چکا تھا۔ اتنا ضرور تھا کہ اس وقت یکے بعد دیگرے چند سوچیں اس کے ذہن میں ابھرتیں اور تھوڑی دیر کے لئے وہ بڑی یکسوئی کے ساتھ اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیتی۔ ذہنی عیاشی کے ان موقعوں پر وہ اپنی قدرتی سطح سے کچھ اوپر اٹھ جاتی اور آخیر میں ہمیشہ کچھ اس طرح سے سوچتی جیسے آج صبح اس نے سوچا تھا: ''میں نے دل کی بے چینی پر فتح پائی ہے۔ میرے اسرار کو......'' اور سر اٹھا کر دیکھا تھا کہ دھوپ لان پر پھیل گئی ہے اور سبزے کے کنارے کنارے اُگے ہوئے گلاب کے پودوں پر پھول مرجھاتے جا رہے ہیں کہ یہ بہار کے آخری دن تھے۔

تقریباً اسی زمانے میں ایک روز علی نے نوردین سے، جس کے ساتھ اب وہ رہتا تھا، بانو کا ذکر ان الفاظ میں کیا۔

"بانو بڑی اچھی عورت ہے۔"

"درست ہے۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔" نوردین نے کہا۔

اس پر علی نے ذرا جھجکتے ہوئے بانو کے ساتھ شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ نوردین پہلے ٹھٹکا، پھر ہنستے ہوئے بولا: "اچھا اچھا، مجھے اس کا خیال بھی نہ تھا"...... وہ دیر تک منہ ہی منہ میں ہنستا رہا۔ پھر تھوڑی دیر کو سنجیدہ ہو کر بولا: "لیکن یہ بالکل ٹھیک ہے علی۔ وہ بڑے کام کی عورت ہے۔ بڑی محنتی اور دیانتدار۔ اور پھر عورت کے بغیر مرد کا کوئی ٹھکانا بھی نہیں ہوتا۔" اس کے بعد پھر وہ ہنستا اور اسے چھیڑتا اور علی مصنوعی خفگی کا اظہار کرتا رہا، گو دونوں ادھیڑ عمر کے آدمی تھے۔

چند باتوں کے بعد یہ طے ہوا کہ نوردین اس بارے میں بانو سے دریافت کرے گا۔ اسی روز کام سے واپس آنے پر نوردین نے کہا: "چلو۔"

"کہاں؟ بات ہوئی؟"

"ہاں۔"

سورج غروب ہو رہا تھا۔ جب وہ دونوں منہ ہاتھ دھو دھلا کر بانو کی جھونپڑی میں داخل ہوئے۔ جھونپڑی کا فرش بڑی صفائی سے لیپا ہوا تھا اور سب چیزیں اپنی اپنی جگہ پر احتیاط سے رکھی گئی تھیں۔ چھت میں سے گھاس پھونس، جو تنکا تنکا ہو کر شہتیروں میں [illegible] اٹھا دیا گیا تھا۔ بانو نے دھلے ہوئے سفید کپڑے پہن رکھے تھے اور اس کے چہرے پر ہلکی سرخی تھی۔ آج بڑی دیر تک وہ اپنے ہاتھوں کو، جو بڑے بڑے اور کھردرے تھے اور کام کرنے کی وجہ سے جگہ جگہ سے تڑخے ہوئے تھے، رگڑ رگڑ کر دھوتی رہی تھی لیکن ان کی بدرنگی دور نہ کر سکی تھی، چنانچہ اس وقت وہ انہیں اوڑھنی میں چھپائے ہوئے تھی۔ جب دونوں مرد اندر آئے تو وہ بڑی تمیز سے ان کے سامنے زمین پر بیٹھ گئی۔

UrduPhoto.com

کافی دیر تک تینوں خاموش بیٹھے رہے۔ جب کبھی کسی دو کی نظریں اتفاقاً آپس میں ٹکرا جاتیں تو وہ کھسیانے سے ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگتے۔ تینوں اپنی اپنی جگہ پر اپنے آپ کو نہایت بدھو خیال کر رہے تھے۔ کسی کو بھی بات شروع کرنے کا ڈھنگ نہ آتا تھا۔ حتیٰ کہ جھونپڑی میں اندھیرا اتر آیا اور بانو چراغ جلانے کے لئے اٹھی۔

اس وقت اس کے اٹھ کر جانے اور کچھ اندھیرے کے بڑھنے کی وجہ سے علی کی ہمت بڑھی اور وہ کھنکار کر یک دم بول اٹھا:

"میں نے نور سے کہا تھا، اس نے تم سے بات کی ہوگی۔ ظاہر ہے، میں......" وہ رکا۔ "تمہیں پیار سے رکھوں گا۔ میں گھر بنانا چاہتا ہوں۔ تم بھی تو...... ہاں، تم بھی......" اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

وہ زمین پر دیکھتی ہوئی خاموشی سے آ کر بیٹھ گئی۔

"ٹھیک ہے۔" علی نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ پھر نوردین نے آہستہ آہستہ بات شروع کی اور سادہ الفاظ میں اسے بتایا کہ علی محنتی اور دیانتدار آدمی تھا اور کہ مرد کے بغیر عورت کا کوئی ٹھکانا بھی نہیں ہوتا، وغیرہ وغیرہ۔

"کمال...... میرا بچہ؟" اچانک اس نے سوال کیا۔